پیش لفظ

جاسوسی ادب کے حوالے سے اُردُو زبان میں ناقدین کی مختلف آراء ہیں کہ جاسوسی ادب، ادب ہے بھی یا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لاہور کی عظیم دانش گاہوں گورنمنٹ کالج، پنجاب یونیورسٹی اور دیگر یونیورسٹیوں میں جاسوسی ادب پر تحقیقی کام نہ ہو سکا۔ اس کے برعکس انڈیا کی اکثر یونیورسٹیوں میں جاسوسی ادب پر مختلف محققین نے تحقیقی مضامین لکھے۔ تحقیقی مضامین اور مقالہ جات کا سلسلہ انڈیا سے ہوتا ہوا کراچی (پاکستان) میں داخل ہوا پھر پاکستان میں بھی جاسوسی ادب کو مختلف پہلوؤں سے دیکھا جانے لگا اور آج الحمد اللہ لاہور کی ایک عظیم دانش گاہ میں بھی جاسوسی ادب پر بندہ ناچیز کی صورت میں تحقیقی کام شروع ہوا۔ تحقیق میں کچھ بھی حرف آخر نہیں ہوتا محقق تحقیق کی نئی راہیں کھولتا ہے جو غلط کو درست کرنے کی یا پھر درست کو مزید بلندیوں اور وسعتوں تک پہنچانے کی دعوت دے رہا ہوتا ہے کیونکہ بہتر کی گنجائش ہمیشہ ہر جگہ برقرار رہتی ہے۔ اس کے مقابلے میں مسلسل انکار اور ہٹ دھرمی کی ضد جہالت کو پروان چڑھاتی ہے جو بالآخر نمو پاتی ہے بلکہ دوسروں کو بھی ہٹ دھرمی کی ترغیب دیتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ حلقہ احباب اور دوسرے ادب کے محققین کو میری بات ناگوار گزرے جو ادب کو جاسوسی ادب سے بالاتر سمجھتے ہیں۔ چھوٹا منہ بڑی بات اُن سے عاجزانہ سوال ہے جس کا مقصد صرف علم اور شعور میں اضافہ ہے ہم ہزاروں لکھے جانے والے ناولوں اور جاسوسی کہانیوں کو کسی ضمرے میں لائیں اور اُن کے لاکھوں قارئین جن میں صرف اُردُو پڑھنے والے عام قارئین مزدور، محنت کش طبقہ، دیہاڑی دار لوگ اور چھابڑی فروش سے لے کر مغرب زدہ قارئین بھی شامل ہیں وہ کیا پڑھتے ہیں؟ ضرورت اس امر کی تھی کہ جاسوسی ادب کا بھی اہل دانش تنقیدی جائزہ لیتے اور انہیں اس ڈگر پر چلاتے جس میں بات جرم اور سزا سے آگے معاشرت، ثقافت اور سماج کے پہلوؤں تک جاتی وہ معاشرے کا عکاس بن جاتے۔ لیکن اگر ہم سرے سے انکار کر کے بیٹھ جائیں گے تو یہ مناسب رویہ نہیں ہے۔ جاسوسی ادب کا مقالہ تحریر کرتے ہوئے اندازہ ہوا کہ ہماری اکثر لائبریریاں جاسوسی ادب کے حوالے سے ناولوں اور تنقیدی جائزہ لینے کے حوالے سے خالی پڑی ہیں۔ بڑی بڑی دانش گاہوں کے دارالمطالعہ میں کوئی ایک کتاب موجود نہیں ہے۔ کتب کی خریداری کے لیے کثیر رقم اور نہایت شدید دشواری کا سامنا رہا۔

تحقیقی مقالہ چار ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب جاسوسی ادب کی تاریخ پر مبنی ہے جس میں ابتداء سے لے کر دور حاضر تک مختلف جاسوسی ناول نگاروں اور اُن کے جاسوسی ناولوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مغربی جاسوسی ناول نگار پھر تراجم، برصغیر میں جاسوسی ناول نگاری انیسویں صدی کے جاسوسی ناول نگاروں کی مکمل تفصیل بیان کی گئی ہے۔ مختلف

جاسوسی ناول نگاروں کے اُردو ادب میں موجود جاسوسی ناول نگاروں پر اثرات بیان کیے گئے ہیں۔ اس باب میں اہم ترین چیز جاسوسی ناول میں اوّلیت پر بحث کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں ابہام پایا جاتا ہے۔ تفصیل اور دلائل سے بات کو آگے بڑھایا ہے۔ اسی طرح اسی باب میں جاسوسی ادب کی درجہ بندی کی ہے۔ جاسوسی ادب کو خیر و شر کے لحاظ سے تقسیم کیا گیا ہے پھر جاسوسی ادب کو مزید تقسیم کیا ہے جس کا مختلف انواع اور کہانیوں میں فکر اور طریقہ مختلف ہوتا ہے جن کی معاشرتی جرائم کے لحاظ سے درجہ بندی کی ہے۔ باب دوم اشتیاق احمد کے ناولوں پر مشتمل باب ہے وہ بچوں کے ادب کے حوالے سے زیادہ مشہور ہیں۔ اُن کے ناولوں کا مختلف پہلوؤں سے جائزہ لیا گیا ہے کوشش کی ہے کہ اُن کے فن کے ساتھ پورا انصاف کیا جاسکے۔ باب سوئم ابن صفی جو جاسوسی ادب کے لازوال مصنف مانے جاتے ہیں اُن کے مخصوص ناولوں پر بحث پر مشتمل ہے پھر مجموعی طور پر اُن کے ناولوں کا جائزہ لیا ہے۔ فکری فنی تجزیے پیش کیے گئے ہیں۔ باب چہارم میں دونوں جاسوسی ناول نگاروں کے فن کا تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اُن کے معاشرتی، معاشی اور سیاسی حالات کے زیر اثر پروان چڑھنے والا ادب پھر ان دو فنکاروں کی فکر میں مماثلت پیش کی گئی ہے۔ اسی طرح اُن کے اسلوب اور اندازِ بیان کو بھی پیش کیا ہے دونوں ہی ادیب اپنے اپنے میدان میں سبقت لیتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اشتیاق احمد بچوں کے حوالے سے اور ابن صفی مجموعی طور پر اپنے مخصوص اندازِ تحریر سے برتری حاصل کرتے ہیں۔

زیر بحث مقالہ لکھتے وقت جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا میں انہیں رسمی انداز میں ہرگز پیش نہیں کر رہا بہر حال مجھے اکثر احباب سے مایوسی ہوئی جو تھوڑا بہت جاسوسی ادب کے حوالے سے جانتے تھے یا پھر جن کے ذریعے جاسوسی ادب کے متعلق کتابیں حاصل کی جاسکتی تھیں۔ دورانِ تحریر مقالہ کراچی کے چکر اور پڑوسی ملک کے لوگوں سے رابطہ عام سی بات رہی کیونکہ لاہور میں رسائل، اخبارات اور جاسوسی ادب پر مبنی کتابوں کا فقدان تھا۔ ایک پبلشرز کی مدد سے اکثر کراچی سے کتابیں منگوانے میں آسانی رہی۔ میرے چھوٹے بھائی جو کراچی میں مقیم ہیں وہاں پاک فضائیہ کے ادارے سے ایم بی بی ایس کر رہے ہیں۔ معلومات کے حوالے سے مددگار ثابت ہوئے۔ اپنے اساتذہ ڈاکٹر صائمہ ارم صاحبہ کا شکر گزار ہوں۔ ہمیشہ شفقت سے پیش آئیں اور مشعلِ راہ ثابت ہوئیں۔ رفاقت علی شاہد اور ڈاکٹر خالد محمود سنجرانی جو کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں ہمیشہ مثبت طرح سے رہنمائی کی اور نیا ولولہ و جوش پیدا کیا۔

اسی طرح ہجویری ایڈورٹائزرز کا شکر گزار ہوں جنہوں نے میری کمپوزنگ میں مدد کی۔

گلباز نوید

جی سی یونیورسٹی لاہور